عبادت کی ذمہ داریوں کو نباہنے کے لئے تین چیزیں بنیادی ہیں

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۹؍مئی ۱۹۶۹ء بمقام مسجد مبارک۔ ربوہ)

❁ ❁ ❁

☆ بندے اور اس کے خالق کے درمیان عبودیت تامہ کا تعلق قائم ہو۔

☆ غیر اللہ کی اطاعت بھی احکامِ الٰہی کی روشنی میں ہو۔

☆ جب تم فیصلہ کرو تو اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق کرو۔

☆ دعا کے لئے اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کا عرفان ضروری ہے۔

☆ اسلام نے ہر فرد واحد کے نفس کے حقوق کو تسلیم کیا ہے۔

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیات تلاوت فرمائیں:۔

وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ o وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِo

(الذّٰریٰت: ۵۶، ۵۷)

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ o (البینۃ: ۶)

اس کے بعد حضور نے فرمایا:

میں نے پچھلے خطبات میں بتایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی ان آیات میں جو میں خطبہ سے پہلے تلاوت کرتا ہوں ہمیں اس طرف متوجہ کیا ہے کہ انسانی پیدائش کا مقصد یہ ہے کہ بندے اور اس کے خالق اور ربّ کے درمیان عبودیت نامہ کا تعلق قائم ہو جائے اور اس کا بندہ اسی کی عبادت کرے اور پھر بتایا کہ عبادت سے اس قسم کی عبادت مراد نہیں جو دوسرے مذاہب والے اپنے خیال کے مطابق یا بگڑی ہوئی تعلیم کے مطابق کرتے ہیں مثلاً دنیا میں بعض مذاہب ایسے ہیں جو ہفتے میں ایک بار کسی معین وقت میں کسی خاص جگہ پر عبادت کر لینا کافی سمجھتے ہیں اور انہیں یہ خیال ہوتا ہے کہ اس طرح وہ حق جو اللہ تعالیٰ نے بطور ربّ اور خالق اور رحمٰن اور رحیم اور مالک کل ہونے کے ہم پر قائم کیا تھا وہ ہم نے ادا کر دیا۔ بعض ایسے مذاہب ہیں جن کے لئے ہفتے میں ایک دن بھی کسی خاص جگہ جمع ہو کر عبادت کرنا ضروری نہیں قرار دیا گیا۔ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ محض خیالوں خیالوں میں اللہ تعالیٰ کو یاد کر لینا کافی ہے پھر بندے پر اس کے ربّ کے تمام حقوق جو ہیں وہ ساقط ہو جاتے ہیں، ذمہ داریاں جو ہیں وہ ادا ہو جاتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی ان آیات میں یہ فرمایا ہے کہ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی

عبادت کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت ہی کے لئے انسان کو پیدا کیا گیا تھا تو ہمارا مطلب یہ ہوتا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْن ہوکر کرو اور جیسا کہ میں بتا چکا ہوں یہ فقرہ انسان پر عبادت سے تعلق رکھنے والی گیارہ ذمہ داریاں ڈالتا ہے۔

اختصار کے ساتھ میں نے ان خطبات میں ان گیارہ ذمہ داریوں کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا۔ اب ''دین'' کے مختلف معانی کی رو سے اپنے ربّ سے محبت کرنے والے ایک بندے پر یہ فقرہ جو گیارہ ذمہ داریاں ڈالتا ہے وہ یہ ہیں کہ عبادت صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے مخصوص ہو۔ اسے واحد و یگانہ یقین کرتے ہوئے اس کی عبادت اور پرستش کی جائے، کسی قسم کا شرک ظاہری یا باطنی، جلی یا خفی نہ ہو، نہ کسی کو عزت و احترام کا وہ مقام دیا جائے جو صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔

مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْن کے دوسرے معنے یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس رنگ میں کرو کہ اطاعت اور فرمانبرداری صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہو، غیر اللہ کی غلامی کی زنجیروں کو کاٹ ڈالو، اللہ تعالیٰ کے بندے بن کر اور اس بندگی میں ہر غیر سے آزاد ہو کر اپنی زندگیوں کے دن گزارو۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت بھی اللہ تعالیٰ کے لئے ہو اور جہاں بندوں کی اطاعت کرنی پڑے وہ بھی کسی غیر اللہ کے دباؤ سے یا برے خیالات کے نتیجہ میں نہ ہو بلکہ احکام الٰہی کی روشنی میں ہو۔

حقیقی عبادت تیسری بات کا جو تقاضا کرتی ہے وہ یہ ہے کہ اپنے اخلاق اللہ تعالیٰ کے اخلاق کے مطابق بنائے جائیں، کیونکہ دین کے معنے سیرت کے ہوتے ہیں۔ غیر اللہ کے اخلاق کا کوئی بدنما داغ اپنی سیرت کی نورانی چادر پر نہ لگنے دو۔ تمہاری زندگی میں جن اخلاق کا بھی مظاہرہ ہو وہ اللہ تعالیٰ کے اخلاق کا پرتو اور عکس ہو، اپنی قوت اور استعداد کے مطابق اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کا رنگ چڑھانے کی کوشش کرو۔

مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْن میں عبادت صحیحہ کا جو چوتھا تقاضا بتایا گیا ہے وہ یہ ہے کہ سب تقویٰ اور زہد و تعبد اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہو۔ کیونکہ دین کے معنے ورع کے بھی ہوتے ہیں اور پانچویں ذمہ داری اللہ تعالیٰ کی خالص عبادت اللہ تعالیٰ کے بندوں پر یہ ڈالتی ہے کہ جس جس حلقہ میں انہیں اختیار اور حکومت حاصل ہو، حکومت کے معنے صرف ملک کی حکومت کے نہیں ہوتے بلکہ خاندان کا ایک حاکم ہے اسے نبی اکرم ﷺ نے راعی قرار دیا ہے۔ ہر انسان کا ایک دائرہ اثر ہوتا ہے جس میں اس کی مرضی چلتی ہے۔ تو فرمایا جس جس دائرہ اثر میں تمہاری مرضی چلتی ہو تم یہ کوشش کرو کہ اس دائرہ اثر میں تمہاری مرضی

نہ چلے بلکہ تمہارے اللہ کی مرضی چلے۔ ہوائے نفس کو یا اللہ کے غیر کو خوش کرنے کے لئے کوئی کام نہ کیا جائے کوئی حکم نہ دیا جائے کوئی ہدایت نہ ہو۔

دین کے چھٹے معنے میں نے یہ بتائے تھے کہ تمہاری عادات بھی ایسی ہوں کہ ان کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو ماحول کے بداثرات بدعادات پیدا کر دیتے ہیں اس لئے ماحول کے بداثرات سے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے بچو اور اللہ تعالیٰ کے احکام کے ماتحت اور اس کی خوشنودی کے حصول کے لئے اپنے میں اچھی عادتیں پیدا کرو اور انہیں پختہ کرنے کی کوشش کرو۔

ساتواں حکم یہ ہے کہ جب تمہیں غلبہ مل جائے تو غلبہ اور طاقت کا استعمال احکام الٰہی کی روشنی میں ہو اور آٹھویں یہ کہ یہ زندگی تدابیر کا مجموعہ ہے۔ بہت سی چیزیں ہیں جنہیں ہم عادتاً کرتے ہیں اور ان کو تدبیر نہیں سمجھتے۔ گرمیوں کے دنوں میں یہ بھی ایک تدبیر ہے کہ ہم رات کو باہر پانی کا گھڑا رکھتے ہیں تا کہ ہمیں صبح نسبتاً ٹھنڈا پانی مل جائے۔ لیکن یہ ایسی عادت ہے کہ کسی سے بات کرو تو وہ کہے گا یہ بھی کوئی تدبیر ہے لیکن ہر کام جو ہم کرتے ہیں دراصل وہ تدبیر ہے کیونکہ اس سے مستقبل میں ایک نتیجہ نکلتا ہے۔ مثلاً گھر والی صبح اٹھ کر ناشتہ تیار کرتی ہے یہ بھی ایک تدبیر ہے تا کہ رات کے بھوکے معدے کو کچھ کھانے کو ملے۔ نبی کریم ﷺ کی عادت تھی کہ گھر میں گھر کے کاموں میں گھر والوں کا ہاتھ بٹایا کرتے تھے۔ اگر خاوند مثلاً برتن دھونے لگ جائے یا اگر انہوں نے کھانا اکٹھے کھانا ہے تو برتن لگائے یا کوئی اور کام کرے یہ بھی ایک تدبیر ہے اور یہ بھی ایک تدبیر ہے کہ کھانے کا ایک لقمہ بھی ضائع نہ ہو۔ کیونکہ کسی اور بھائی کا اس سے فائدہ ہوسکتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ اپنی رکابی میں اتنا ہی ڈالو جو ختم کر سکو زیادہ نہ ڈالو۔ ہمارے ملک میں یہ بری رسم پیدا ہوگئی ہے کہ بہت سے لوگ جب مہمان ان کے ہاں آئیں وہ ان کی رکابیوں میں اپنی مرضی کے مطابق کھانا انڈیل دیتے ہیں اور یہ نہیں دیکھتے کہ اس کے نتیجہ میں نبی اکرم ﷺ کے ایک ارشاد کی بے حرمتی ہوگی۔

دو سال ہوئے میں راولپنڈی گیا تھا تو وہاں ایک دوست کے ہاں سے دعوت کا کھانا آیا۔ میں نے اپنی ضرورت کے مطابق کھانا ڈالا۔ ان کی ربۃ البیت باہر کھڑی غور سے دیکھ رہی تھیں کہ ہمارا پکا ہوا کھانا پیٹ بھر کر کھاتے ہیں یا پیٹ پھاڑ کر کھاتے ہیں۔ ان سے رہا نہ گیا وہ اندر آ گئیں اور کہنے لگیں میں تو جٹی ہوں میں تو اپنی مرضی کی مقدار آپ کی رکابی میں ڈالوں گی۔ میں نے کہا اپنی مرضی پوری کرو کھانا تو میں

نے اتنا ہی ہے جتنا میں نے کھانا ہے۔لیکن اس کے نتیجہ میں (وہ کھانا تو شاید ضائع نہیں ہوا ہوگا انہوں نے محبت سے کھالیا ہوگا) بعض دفعہ ضائع بھی ہو جاتا ہے۔

غرض نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ جو تدبیر بھی تم کرو وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہو۔اب پلیٹ میں کھانا ڈالنا یہ بھی ایک تدبیر ہے۔اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اتنا ڈالنا جتنا آدمی کھالے۔دوسروں کے دکھاوے کے لئے ڈالنا یا جتنے کی اسے بھوک ہے اس سے کم ڈالنا تا کہ لوگ سمجھیں کہ بڑا عبادت گزار ہے اور اسے کھانوں سے کوئی رغبت نہیں اور پھر جب علیحدگی میں گئے تو اپنا پیٹ بھر لیا۔یہ خدا کی رضا کے لئے اپنی پلیٹ میں کھانا نہیں ڈالا بلکہ خدا تعالیٰ کو ناراض کرنے کے لئے اور اس کی مخلوق کو دھوکہ میں رکھنے کے لئے تھوڑی سی غذا ڈالی گئی یا اپنی امارت کا مظاہرہ کرنے کے لئے مہمانوں کے سامنے ایک ایک قاب لا کر رکھ دیا۔یا فی مہمان ایک دیگ پکوادی یا ایک اونٹ ذبح کر دیا تو وہ تدبیر جو ہے وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لئے نہیں۔پس آٹھویں ذمہ داری ہم پر یہ ڈالی گئی ہے کہ جو تدبیر بھی تم کرو کسی چھوٹے مقصد کے لئے وہ تدبیر ہو یا کسی بڑے اہم مقصد کے لئے وہ تدبیر ہو، جو تدبیر بھی ہو اصل مقصد اس تدبیر سے یہ ہو کہ تمہارا ربّ تم سے خوش ہو جائے۔

نویں یہ کہ جب نفس کا اپنے دوسرے بھائیوں کا جن کی تربیت کی ذمہ داری تم پر ہے محاسبہ کرنے لگو تو وہ محاسبہ احکام باری جل شانہٗ کی روشنی میں ہو کسی تکبر یا غصہ یا نخوت یا حقارت کے نتیجہ میں نہ ہو۔بعض لوگ مثلاً بے دھڑک اپنے منہ سے نکال دیتے ہیں کہ فلاں علاقے کے لوگوں میں یہ یہ برائیاں ہیں۔اب یہ بھی ایک محاسبہ ہے لیکن یہ خدا تعالیٰ کو خوش کرنے والا محاسبہ نہیں ہے۔نفس سے محاسبہ شروع ہوتا ہے اور خاموشی کے ساتھ اور احساسات اور جذبات کو لیس لگائے بغیر اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لئے اس کے بندوں کو اسکے قریب لانے کے لئے انسان محاسبہ کرتا ہے۔

دسویں ذمہ داری حقیقی عبادت کی ہم پر یہ ڈالی گئی ہے کہ جب تم فیصلہ کرو تو اللہ تعالیٰ کے فیصلوں اور احکام کے مطابق فیصلہ کرو۔اور گیارہویں ذمہ داری یہ ڈالی گئی ہے کہ جب تم بدلہ دو یا جب تم بدلہ لینے کی امید رکھو، ہر دو صورتوں میں اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور نبی اکرم ﷺ کی سنت ملحوظ ہو۔بدلہ لینے کے متعلق میں نے بتایا تھا (یاد دہانی کرا دیتا ہوں) کہ مثلاً اپنے نفس کے علاوہ غیر کے ساتھ حسن سلوک سے متعلق بدلہ لینے کا جو اصول بیان کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ تم نہ بدلے کی خواہش رکھو اور نہ یہ خواہش رکھو کہ وہ تمہارا

مشکور ہوگا۔ جب تم نے احسان کیا ہے تو اس کے بدلے میں احسان کی امید یا خواہش یا شکر گزار ہونے کی امید یا خواہش نہ رکھو۔

بہر حال میں نے اصولی طور پر دو تین باتیں بتائی تھیں۔ یہ گیارہ ذمہ داریاں مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْن کی آیت کا ٹکڑا ہم پر ڈالتا ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے تین ذمہ داریاں اس قسم کی ڈالیں جن کا ان گیارہ کی گیارہ ذمہ داریوں سے تعلق ہے اور دراصل ان ذمہ داریوں کو صحیح طور پر نباہنے کے لئے وہ تین چیزیں بنیاد بنتی ہیں۔ ان ذمہ داریوں کو نباہنے سے جو عمارت کھڑی ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کی محبت کی اور اللہ تعالیٰ کے لئے اخلاص کی اور اللہ تعالیٰ کے لئے فدائیت کی اور اللہ تعالیٰ کے لئے ہر قسم کے ایثار کی اور اللہ تعالیٰ کے لئے ظلم سہنے کی اور اللہ تعالیٰ کے لئے ظلم کو معاف کرنے کی وغیرہ وغیرہ جتنے نیک اعمال ہیں ان سے ایک بنیاد قائم ہوتی ہے جو جنت میں گھر بنتا ہے وہ یہی گھر ہے نا جو ہم اس دنیا میں روحانی طور پر تیار کر رہے ہوتے ہیں۔

اس کی بنیاد تین چیزوں پر قائم کی گئی ہے جن میں پہلے یہ ہے حُنَفَآءَ کہ یہ ذمہ داریاں جب تم نباہو ان میں ثبات قدم ہو، مستقل مزاجی ہو، تمہاری ساری کی ساری زندگی اللہ تعالیٰ کے لئے گزرنے والی ہو۔ جب تم اس کی عبادت کرو تو یہ نہیں کہ چند دن عبادت کی اور چند دن چھٹی لی۔ روحانی دنیا میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لئے جو کام کئے جاتے ہیں ان میں رخصتیں نہیں ہوتیں۔ بلکہ ذمہ داری کے عائد ہونے کے دن سے گزر جانے کے دن تک وہ کام لگاتار اور باقاعدگی سے کرنا ہوتا ہے۔ یہ نہیں کہ سکولوں کی رخصتوں کی طرح دس مہینے نماز پڑھی اور دو مہینے نماز سے چھٹی ہوگئی۔ نماز باجماعت تو پانچ وقت ہی سوائے اس جائز مجبوری کے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں سختی سے بچانے کے لئے ہم پر رحم کرتے ہوئے سہولت دی ہے۔ اس کے علاوہ مسجد میں آ کر نماز پڑھنا ضروری ہے۔ اسی طرح وہ سینکڑوں احکام الٰہی جو قرآن کریم میں بیان ہوئے ہیں اور ان کی ہزاروں فروعات جو نبی کریم ﷺ کے ارشادات اور آپ کی سنت میں پائی جاتی ہیں۔ ان پر باقاعدگی کے ساتھ استقلال کے ساتھ عمل کرنا ضروری ہے حُنَفَآءَ ہونا چاہئے، ثبات قدم ہونا چاہئے۔ استقلال ہونا چاہئے کیونکہ اس کے بغیر تو یہ شکل بنے گی کہ ہماری زندگی کے کچھ دن خدا کے لئے گزرے اور کچھ دن شیطان کے لئے گزرے۔ لیکن ہمارا خدا یہ کہتا ہے کہ اگر تم سب کچھ مجھے دینا نہیں چاہتے تو میں تم سے کچھ بھی لینے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ پھر سب کچھ

ہی شیطان کی گود میں جا کر ڈال دو اور اس دنیا کی جہنم اور اس دنیا کی جہنم کے وارث بنو۔ لیکن اگر میرا بننا ہے تو میرے ہو کر ساری زندگی کے دن گزارنے ہوں گے۔ اگر تم آدھا مجھے اور آدھا میرے غیر کو دینا چاہو تو جو مجھے دو گے وہ بھی میں قبول نہیں کروں گا۔

پس فرمایا کہ عبادت اور اس کی ذمہ داریاں اور اس سلسلہ میں جو احکام بجالانے ہیں ان میں ثبات قدم ہونا چاہئے استقلال ہونا چاہئے باقاعدگی ہونی چاہئے، اور بشاشت اور رضا ہونی چاہئے اس کے بغیر تو انسان کو ثبات قدم نہیں ملتا۔

اس سلسلہ میں دوسری چیز جو بنیاد ہے وہ ہے یُقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَیُؤۡتُوا الزَّکٰوۃَ اس میں دو چیزیں آ گئی ہیں۔ قرآن کریم نے صلوٰۃ اور زکوٰۃ کو مختلف معانی میں استعمال کیا ہے۔ بعض جگہ تو ایک خاص عبادت جو ہم پانچ وقت فرائض کے طور پر کچھ سنتوں اور نوافل کے طور پر ادا کرتے ہیں اس کو صلوٰۃ کہا جاتا ہے اور زکوٰۃ اس مقررہ لازمی چندے کو کہا جاتا ہے جس کی تفاصیل قرآن اور احادیث میں پائی جاتی ہیں۔ لیکن ان دو الفاظ کو بنیادی معانی میں بھی استعمال کیا گیا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم کی ابتدا میں سورہ بقرہ کے شروع میں ہی ایک بڑا لطیف اصولی مضمون بیان ہوا ہے اور اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ قرآن کریم کے نزول کے بعد دنیا تین گروہوں میں منقسم ہو جائے گی۔ (۱) ایمان لانے والے (۲) کھلم کھلا انکار کرنے والے اور (۳) منافقانہ راہوں کو اختیار کرنے والے۔ وہاں ساری باتیں جو بیان کی گئی ہیں وہ اصولی ہیں۔ وہاں بھی

ھُدًی لِّلۡمُتَّقِیۡنَ ۙ الَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡغَیۡبِ وَیُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقۡنٰھُمۡ یُنۡفِقُوۡنَ ۙ

(البقرہ: ۳، ۴)

میں یُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوۃَ اور مِمَّا رَزَقۡنٰھُمۡ یُنۡفِقُوۡنَ جو دو فقرے استعمال ہوئے ہیں ان کی بجائے یہاں یُقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَیُؤۡتُوا الزَّکٰوۃَ کے دو فقرے ایک ہی معنی میں استعمال ہوئے ہیں اور یہ دو چیزیں تمام اعمال صالحہ اور عبادات کی بنیاد ہیں۔

صَلٰوۃ سے مراد بنیادی دعا ہے جس کے کرنے کا حکم بطور فریضہ کے دیا گیا۔ ایک وہ دعا ہے جو ضرورت کے مطابق انسان کرتا ہے۔ ہر فرد کی ضرورت مختلف ہوتی ہے ہر شخص کی ضرورت مختلف اوقات میں مختلف ہوتی ہے وہ حسب ضرورت اپنے ربّ سے مانگتا ہے اور اس کے فضل سے پاتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے

فرمایا ہے کہ جوتے کا اگر ایک تسمہ بھی ٹوٹ جائے اور اس کی ضرورت ہو تو یہ نہ سمجھنا کہ زور بازو سے تم اسے حاصل کر سکو گے۔ بوٹ کا تسمہ بھی تم اپنے خدا سے مانگو۔ پس ایک تو یہ انفرادی دعا ہے جو انفرادی حالات کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ لیکن ایک بنیادی دعا ہے یعنی عاجزانہ اپنے ربّ کے قدموں پر گر جانا جو بطور فریضہ کے قائم کی گئی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ (المومن: ۶۱) ایک معنی یہ بھی کئے ہیں کہ یہاں یہ حکم ہے کہ مجھ سے دعا کرو تو یہاں یہ فریضہ ہے اور آپ نے اس کی بڑی لطیف تفسیر بیان کی ہے۔ یہاں دعا کو اس دعا کے معنوں میں استعمال کیا ہے جو فرض ہے اور پھر آگے اس کی قبولیت کا وعدہ دیا گیا ہے۔ یہاں اور سورہ بقرہ کے شروع میں اور بعض دوسری جگہوں پر صلوۃ کا لفظ اس دعا کے معنوں میں آیا ہے جو فریضہ ہے۔ ہر ایک شخص کے لئے کرنا ضروری ورنہ عبادت اور اس کے لوازمات پورے نہیں ہوتے اور انسان سچے طور پر اپنے ربّ کی عبادت نہیں کر سکتا۔ اور اس دعا کی ماہیت حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ بیان کی ہے کہ چونکہ بندہ اپنے ربّ کی عبادت ہی کے لئے پیدا ہوا ہے انسانی فطرت میں یہ چیز پائی جاتی ہے کہ وہ اپنے ربّ کی طرف جھکے۔ لیکن اس کی فطرت میں کمزوری بھی ہے۔

پس اس دعا کی ماہیت یہ ہے کہ پہلے رحمان کی رحمانیت جوش میں آتی ہے اور اپنے بندہ کو وہ اپنی طرف کھینچتی ہے۔ پھر اس کو تھوڑے سے قرب کے حاصل ہو جانے کے بعد کچھ ہوش آ جاتا ہے اور اس کی فطرت بیدار ہوتی ہے اور جاگ اٹھتی ہے۔ پھر بندے کی فطرت میں ایک جوش پیدا ہوتا ہے کہ میں خدا کا قرب حاصل کروں اور پھر بندہ اس کی طرف کھنچا چلا جاتا ہے۔ یعنی یہ دو کششیں ہیں، ایک اللہ کی کشش جو اس کی رحمت کے جوش سے ظاہر ہوتی ہے۔ اور ایک بندے کی کشش جو اس کی فطرت کے بیدار ہونے کے بعد یا اس کی روحانی بلوغت کے بعد ظاہر ہوتی ہے اور یہ دو کششیں مل کر بندے کو اللہ تعالیٰ کا ایک خاص مقام قرب عطا کرتی ہیں۔ یہ خاص مقام قرب صرف انسان کو عطا ہوتا ہے دوسری چیزوں کو عطا نہیں ہوتا۔ جیسا کہ میں نے ایک خطبہ میں بتایا تھا کہ قرب کی کئی قسمیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا قرب تو ہر شے کو حاصل ہے۔ لیکن ایک قرب عام ہے ایک قرب خاص ہے۔ بندے کو قرب خاص عطا ہوتا ہے۔ اس کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام تحریر فرماتے ہیں کہ:

’’خدا تعالیٰ کی طرف کامل یقین اور کامل امید اور کامل محبت اور کامل وفاداری اور کامل

ہمت کے ساتھ جھکتا ہے (پیچھے بندے کا ذکر ہے کہ ایسا انسان جو ہے کہ جب خدا تعالیٰ کی رحمانیت جوش میں آتی ہے تو اس کی فطرت بیدار ہوتی ہے تو یہ حالت پیدا ہو جاتی ہے) اور نہایت درجہ کا بیدار ہو کر غفلت کے پردوں کو چیرتا ہوا فنا کے میدانوں میں آگے سے آگے نکل جاتا ہے پھر آگے کیا دیکھتا ہے کہ بارگاہ الوہیت ہے اور اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں۔ تب اس کی روح اس آستانہ پر سر رکھ دیتی ہے۔''

(برکات الدعاء۔ روحانی خزائن جلد ۶ صفحہ نمبر ۱۰)

یہ ہے اس دعا کی ماہیت یعنی جب تک انسان کو یہ مقام حاصل نہ ہو وہ عبادت کا مفہوم ہی نہیں سمجھ سکتا۔ اس کی ذمہ داریوں کے ادا کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ فرمایا کہ تم عبادت کے لئے پیدا کئے گئے ہو عبادت کے یہ تقاضے ہیں عبادت تم پر یہ ذمہ داریاں ڈالتی ہے اس لئے پہلی شرط یہ ہے کہ تم پختہ عزم کرو کہ ہم ایک دفعہ صراط مستقیم کو حاصل کرنے کے بعد اس راہ سے نہیں بھٹکیں گے، بلکہ خواہ کچھ ہو جائے ثبات قدم دکھائیں گے۔ ساری دنیا کے پہاڑ مل کر ہم پر گرنے کی کوشش کریں اور ہمیں قیمے سے بھی باریک ذروں میں منتقل کرنے کی کوشش کریں اور ساتھ یہ وعدہ بھی ہو کہ اگر تم اپنے ربّ سے تعلق توڑ دو تو تم اس فنا سے بچ سکتے ہو تو خدا کا بندہ کہے گا کہ نہیں مجھے اس جسم کی فانی زندگی منظور نہیں۔ روحانی زندگی اور اس کی بقاء کا انحصار اس بات پر ہے کہ میرا اپنے ربّ سے تعلق قطع نہ ہو اور میں اس سے دوری کی راہ کو اختیار نہ کروں۔

پس جب یہ جذب پیدا ہو جاتا ہے اور انسان کی فطرت بیدار ہو جاتی ہے تو وہ اس کے نتیجہ میں کامل یقین، کامل امید، کامل محبت، کامل وفاداری، کامل ہمت کے ساتھ خدا تعالیٰ کی طرف جھکتا ہے اور اس کے نتیجہ میں وہ فنا کے میدانوں میں سے گزرتا ہے یعنی اس پر ایک فنا وارد ہوتی ہے اور پھر جب وہ ان میدانوں کو عبور کر لیتا ہے تو کیا دیکھتا ہے بارگاہ الوہیت ہے اور اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں۔ یہ عبادت کا حق ادا ہو گیا نا، تب اس کی روح اس کے آستانہ پر سر رکھ دیتی ہے اور پھر وہ سر اس آستانہ سے کبھی اٹھتا نہیں۔

پس حُنَفَآءَ کے بعد یہ بتایا کہ یُقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ ان کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ چونکہ تم میری عبادت کے لئے پیدا کئے گئے ہو۔ اس لئے اس مفہوم میں دعا کو قائم کرو۔ تا کہ اس کے اوپر وہ عمارت کھڑی ہو سکے جو تمہاری جنت کی عمارت ہے اس قسم کی دعا کا کیا اثر ہوتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام

فرماتے ہیں کہ:

''اس دعا کے ساتھ روح پگھلتی ہے اور پانی کی طرح بہہ کر آستانہ حضرت احدیت پر گرتی ہے، وہ خدا کے حضور میں کھڑی بھی ہوتی ہے اور رکوع بھی کرتی ہے اور سجدہ بھی کرتی ہے اور اسی کی ظل وہ نماز ہے جو اسلام نے سکھلائی ہے''۔

(لیکچر سیالکوٹ۔ روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۲۲۳)

نماز ظل ہے اصل نہیں اصل یہ صلوٰۃ یہ دعا ہے جو فرض ہے۔ جس کی بنیاد پر صحیح اور سچی اور حقیقی عبادت کی عمارت کھڑی ہوتی ہے۔ پھر فرمایا:۔

''اور روح کا کھڑا ہونا یہ ہے کہ وہ خدا کے لئے ہر ایک ہیبت کی برداشت اور حکم ماننے کے بارے میں مستعدی ظاہر کرتی ہے''

جب آستانہ الوہیت نظر آ گیا، جب خدا تعالیٰ کا قرب ہمیں مل گیا، جب خدا تعالیٰ کے ساتھ جو حی و قیوم اور صفات حسنہ کا مالک اور ہمیشہ قائم رہنے والا ہے اور بقاء اس کی مرضی اور منشاء کے بغیر ممکن نہیں اور کسی فرد کو صرف اسی رنگ میں بقاء ملتی ہے جس رنگ میں وہ چاہتا ہے۔ مثلاً ہمارے جسموں کو اس نے بقا نہیں دی فنا دی۔ لیکن ہماری روح کو اس نے باقی رکھا اور جسم سے زیادہ انعامات کا اسے وارث بنایا تو اس دعا کی جو بنیادی حیثیت رکھنے والی ہے ایک خاصیت یہ ہے کہ اس کے نتیجہ میں انسانی روح خدا کے ہر حکم کو ماننے کے لئے مستعد رہتی ہے۔

اس دعا کی دوسری صفت یا دعا کے نتیجہ میں جو روح میں صفت پیدا ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ انسان کی روح اس دعا کے نتیجہ میں اپنے ربّ کے حضور جھکتی ہے۔ چنانچہ آپؑ فرماتے ہیں:۔

''اس کا رکوع یعنی جھکنا یہ ہے کہ وہ تمام محبتوں اور تعلقوں کو چھوڑ کر خدا کی طرف جھک آتی ہے۔ اور خدا کے لئے ہو جاتی ہے''۔

دنیا کے سارے رشتے اور تعلقات فی نفسہا اس انسان کے نزدیک کوئی حقیقت نہیں رکھتے بلکہ اتنی اور اس حد تک اور اس وقت تک کوئی حقیقت ہے جتنی جس حد تک اور جس وقت تک خدا کہے کہ اس حقیقت کو اس تعلق کو قائم رکھنا ہے۔ مثلاً خدا تعالیٰ نے انسان پر بڑی بھاری ذمہ داری ماں باپ کی خدمت کی، ان کی عزت و احترام کی، ان کی اطاعت کی اور ان کا کہا ماننے کی ڈالی ہے۔ لیکن ایک حد بھی

مقرر کر دی۔ اگر شرک کی بات کریں، خدا سے دوری کی بات کریں تو پھر ان کی بات نہیں ماننی۔ اس سے ورے ورے ان کی عزت کرنی ہے، ان کا حترام کرنا ہے ان کی اطاعت کرنی ہے، ادب سے پیش آنا ہے۔ انہیں اُف تک نہیں کہنا۔ ہر طرح ان کو آرام دینا ہے اور خوش رکھنے کی کوشش کرنا ہے وغیرہ وغیرہ۔ بے شمار ذمہ داریاں ہیں۔ لیکن ساتھ یہ کہہ دیا کہ اگر شرک کی کوئی بات کریں، خدا سے دور لے جانے والی کوئی بات کریں تو پھر ان کی بات نہیں ماننی۔ تو ایسی روح تمام تعلقات توڑ دیتی ہے جو خدا کے سوا ہوں۔ صرف ایک تعلق جو حقیقی تعلق ہے اس کا قائم ہو جاتا ہے اور اس تعلق کے نتیجہ میں پھر جس سے خدا جس حد تک تعلق قائم کرنے کو کہتا ہے بندہ وہ تعلق قائم کرتا ہے نہ اس سے زیادہ نہ کم۔ گویا ہر ماسوا اللہ حقیقت میں کچھ نہیں نہ کوئی عظمت اس کی، نہ کوئی جلال اس کا، نہ کوئی عزت اس کی، نہ کوئی احترام اس کا، نہ کوئی خوف اس کا، نہ کوئی ڈر اس کا، کوئی چیز باقی نہیں رہتی۔

سب کچھ خدا کے لئے ہو گیا۔ خدا سے ایک رشتہ محبت قائم ہو گی۔ جس کے بعد کوئی اور رشتہ قائم نہ رہا۔ جس کے بعد کسی اور رشتہ محبت کی ضرورت باقی نہ رہی۔ یہ دوسری صفت ہے جو اس قسم کی دعا میں پائی جانی چاہئے۔ جس کے نتیجہ میں اس روح میں بھی یہ حقیقت پیدا ہو جاتی ہے پھر آپؑ فرماتے ہیں:۔

''اور اس کا سجدہ یہ ہے کہ وہ خدا کے آستانہ پر گر کر اپنے خیال بکلّی کھو دیتی ہے۔ اور اپنے نقش وجود کو مٹا دیتی ہے۔ یہی نماز ہے جو خدا کو ملاتی ہے۔''

دوم: تو یہ تھا کہ کوئی غیر جو ہے وہ باقی نہیں رہتا۔ اس کے ساتھ جو بھی رشتہ ہے وہ خدا میں ہو کر اس کے احکام کی روشنی میں قائم ہوتا ہے۔

تیسرا یہ ہے کہ اپنا وجود بھی باقی نہیں رہتا۔ اپنا وجود بھی خدا کے سپرد ہو جاتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے اس مضمون پر روشنی ڈالتے ہوئے اس کا جو خلاصہ نکالا ہے وہ یہ ہے کہ اس اصلی اور بنیادی دعا کے لئے دو چیزوں کا تصور ضروری ہے۔ ایک اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال کا تصور اس کی ذات کی معرفت اور اس کی صفات کا عرفان اور اس حقیقت کا احساس کہ یہ صفات کاملہ ہمیشہ اپنے کام میں لگی ہوئی ہیں اور یہ کہ کوئی اور وجود اس کی صفات کاملہ کے کام میں کوئی روک نہیں پیدا کر سکتا۔ جب اس کی صفت کا جلوہ ہوتا ہے تو ہر شے جو اس کے مخالف ہوتی ہے وہ ہلاک کر دی جاتی ہے، فنا کر دی جاتی ہے۔

پس ایک تو یہ تصور اس روح میں قائم ہوتا ہے اور ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ بڑی عظمت و جلال والا ہے اور وہ صفات حسنہ سے متصف ہے اور اس کی یہ صفات حسنہ ہمیشہ اپنے کام میں لگی ہوئی ہیں۔ اور کوئی اَور طاقت اور کوئی اَور صفت اور کوئی تدبیر اور حیلہ اللہ تعالیٰ کی ان صفات کے مقابلہ میں کامیاب اور کارگر نہیں ہوسکتا۔

دوسرا تصور یہ ہے کہ میں کچھ نہیں۔ یہ اپنی ذلت اور نیستی کا تصور ہے۔ دراصل عبودیت کا مقام حاصل نہیں ہوسکتا۔ جب تک انسان اس حقیقت پر نہ قائم ہو جائے کہ میں لاشے محض ہوں اور لاشے محض ہونے کے باوجود اس کو کام کرنے کا حکم بھی دیا گیا ہے۔ غرض اپنی ذلت اور نیستی کے ساتھ ہی اس کو یہ یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ توفیق دے گا (اور اللہ تعالیٰ توفیق دیتا ہے) وہ تائید کرے گا (اور اس کی تائید و نصرت حاصل ہوتی ہے) اور جب اس کی توفیق اور تائید و نصرت حاصل ہو جائے تو وہ وجود جو لاشے محض ہے وہ اللہ تعالیٰ کی تائید سے ایسے کاموں کی توفیق پاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کو حاصل کرنے والے ہیں۔

ان دو تصورات کے نتیجہ میں وہ حقیقی بنیادی دعا انسان کو حاصل ہو جاتی ہے جس میں تین خاصیتیں ہیں۔ یعنی جس کے نتیجہ میں دعا کرنے والے میں تین خاصیتیں پیدا ہو جاتی ہیں اور جس کے نتیجہ میں اس محل کی عمارت کھڑی ہوتی ہے جو محل روحانی طور پر اس دنیا میں جنت کا محل اور اُس دنیا میں جنت کا محل ہوتا ہے۔

پس یُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوۃَ میں اس نماز کا ذکر نہیں جو ابھی خطبہ کے بعد مثلاً جمعہ کی نماز پڑھیں گے یا پھر مغرب اور عشا۔ فجر اور ظہر اور عصر کی نماز ہر روز یہاں پڑھتے ہیں بلکہ اس بنیادی دعا کا تعلق تمام حقوق اللہ سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کوئی حق بھی ادا نہیں ہوسکتا جو اس بنیاد کے اوپر کھڑا نہ ہو۔ کیونکہ انسان اگر اپنے کو بھی کچھ سمجھے تو وہ خدا کا حق کیسے ادا کر سکے گا۔ اگر وہ غیر اللہ کو کچھ سمجھے تو وہ خدا کا حق کیسے ادا کر سکے گا۔ پس یہ وہ بنیادی دعا ہے جو ہر مومن مسلمان پر فرض ہے جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ سے وہ تعلق محبت پیدا ہو جاتا ہے جس تعلق محبت کو پیدا کرنے کے لئے انسان کی پیدائش ہوئی ہے اور وہ ان نعماء کا وارث ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مومن بندے کے لئے مقدر ہیں۔

سورہ بقرہ کے شروع میں بھی اسی معنے میں یُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوۃَ کا فقرہ استعمال کیا گیا ہے۔ غرض عبادت کی روح یہ دعا ہے اس کے بغیر بظاہر نظر آنے والی عبادت ایک مردہ لاشہ ہے، لیکن اگر اس عبادت میں دعا کی یہ روح پیدا ہو جائے تو پھر وہ زندہ ہے اور زندہ کا تعلق زندہ سے پیدا ہوسکتا ہے۔ زندہ

روح کا تعلق پھر زندہ خدا سے ہو جائے گا۔ پس حقوق اللہ کی ادائیگی میں روح عبادت یہ دعا ہے یہ صلوٰۃ ہے جس کا ذکر یہاں کیا گیا ہے۔

عبادت کی کچھ ذمہ داریاں حقوق العباد سے تعلق رکھتی ہیں ویسے تو زکوٰۃ کا سارے ہی حقوق کے ساتھ تعلق ہے۔ لیکن نمایاں طور پر براہ راست اس کا تعلق حقوق العباد کے ساتھ نظر آتا ہے۔ میں نے بڑا سوچا میرے نزدیک اس کا تعلق صرف حقوق العباد کے لئے ہی سمجھنا درست نہیں ہے ویسے زکوٰۃ روح خدمت ہے۔ اس دنیا میں حقوق انسانی کی ادائیگی اور نوع انسانی کی جو خدمت ہے اس کے ساتھ اس کا نمایاں طور پر تعلق ہے۔ بندے کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو تعلق ہے وہ خدمت سے کچھ مختلف ہے۔ محض خادم کا تعلق نہیں بلکہ فانی کا تعلق ہے۔ اس وجہ سے وہ چیز وہاں اتنی نمایاں نہیں ہوتی، لیکن بہر حال وہاں بھی اس کا تعلق ہے۔

ایک دوسرے نقطہ نگاہ سے گیارہ کی گیارہ باتیں جن کا مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْن میں ذکر ہے ان کی دوسری بنیاد زکوٰۃ ہے۔ یہ وہ زکوٰۃ نہیں جس کی شرائط پوری ہونے پر چالیسواں حصہ یا بعض لازمی چندوں کے دوسرے مقررہ حصے ادا کئے جاتے ہیں۔ زکوٰۃ کے مختلف معانی ہیں اور بعض آیات قرآنی میں تمام لغوی معنے چسپاں ہو جاتے ہیں اور وہاں ہمیں بڑی لطیف تفسیر ملتی ہے۔

اس معنی کی رو سے جو میں سمجھتا ہوں کہ بنیادی حقیقت کا حامل ہے زکوٰۃ کے معنے یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی کا حق تسلیم کیا جائے اور اسی کو مالک حقیقی سمجھا جائے اور خدا کا جو حق ہے اس کی آگے اس تقسیم میں جو اس نے اپنے کسی بندے کے سپرد کی ہے خدا کے قائم کردہ حق کے مطابق خرچ کیا جائے۔ پس زکوٰۃ کے معنے یہ ہوئے کہ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۔ مثلاً ہر چیز جو میری ہے یا آپ میں سے کسی کی ہے حقیقتاً وہ اللہ تعالیٰ کی ہے۔ اور مالک حقیقی کے حکم اور ارشاد کے مطابق اس تمام عطا کا مصرف ہونا چاہئے۔ جہاں وہ حق قائم کرے وہاں وہ حق ادا ہونا چاہئے۔ اسلام ایک حسین مذہب ہے اس نے صرف دوسروں کے حقوق کو ہی قائم نہیں کیا بلکہ خود ہر فرد واحد کے نفس کے حقوق کو بھی تسلیم کیا اور ان کی ادائیگی کا حکم دیا۔ اگر یہ حقوق قائم نہ کئے جاتے تو کسی کے اپنے نفس کا کوئی حق نہ بنتا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:۔

وَلِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا

(بخاری کتاب الصوم باب مَنْ اَقْسَمَ عَلٰی أَخِيه ليفطر فی التطوع)

تیرے نفس کے بھی کچھ حقوق ہیں جو خدا تعالیٰ نے قائم کئے ہیں اور تیرا یہ فرض ہے کہ تو ان حقوق کو ادا کرے۔ ایک حق مثلاً نفس کا یہ ہے کہ اس کو متوازن غذا ملے کہ اس کی صحت قائم رہے اور اپنی زندگی میں وہ اپنی ذمہ داریوں کو نباہ سکے۔ وہ یہ سمجھے کہ میری زندگی کا ہر سانس اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔ یہ اسی کا ہے میرا کوئی حق نہیں کہ میں جس طرح چاہوں اپنی زندگی کے اوقات کو خرچ کروں۔ جب اسے نیند آتی ہے اور جسم تھک جاتا ہے تو جسم کہتا ہے میں نے سونا ہے۔ اللہ کا بندہ اس وقت یہ سوچے گا کہ سونا کیوں؟ کیا خدا نے میرا یہ حق تسلیم کیا کہ اس دنیا میں تم تھک جاؤ گے اور تمہیں نیند کی ضرورت پڑے گی اس وقت نیند کی ضرورتوں کو ان شرائط کے ساتھ جو اسلام نے بڑی وضاحت سے بیان کی ہیں پوری کر سکو گے۔ یہ تمہارا حق ہے یعنی چیز خدا کی تھی اس نے اپنی رحمت سے یہ حق عطا کیا اور جب ہم اس نقطہ نگاہ سے دیکھتے ہیں تو قرآن کریم کہتا ہے:

جَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا (النباء: ۱۰)

تمہاری نیند کو تمہارے لئے راحت کا باعث بنایا ہے یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی؟ اس میں کوئی حکمت ہونی چاہئے۔ یہ کہنے سے کہ ہم نے تمہاری نیند کو تمہارے لئے راحت کا باعث بنایا ہے اس میں بہت سی حکمتیں ہیں۔

ایک حکمت یہ ہے کہ خدا یہ کہتا ہے کہ اگر میں تمہارا حق تسلیم نہ کرتا کہ تم اپنی زندگی کے کچھ لمحات راحت اور آرام اور اپنی طاقتوں کو زیادہ مضبوط بنانے اور پوری طاقت حاصل کرنے کے لئے نیند لو تو تمہارا کوئی حق نہیں تھا کہ تم سوتے۔ لیکن چونکہ تمہارے جسم کو میں نے اس طرح بنایا ہے کہ تمہارا دل اور تمہارا دماغ اور تمہارا جسم کوفت محسوس کرے گا اور چاہے گا کہ میں نیندلوں اس لئے ہم یہ اعلان کرتے ہیں کہ اِنَّ لِرَبِّکَ عَلَیْکَ حَقًّا وَلِنَفْسِکَ عَلَیْکَ حَقًّا وَلِاَھْلِکَ عَلَیْکَ حَقًّا فَاَعْطِ کُلَّ ذِیْ حَقٍّ حَقَّهٗ (بخاری کتاب الصوم) اور تیرے نفس کا ایک حق یہ ہے کہ جب وہ تھک جائے اور اس کو راحت اور آرام کی ضرورت پڑے تو وہ سو جائے۔ پس ہماری زندگی کے سارے لمحات اللہ تعالیٰ کے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ہمارے لئے سونے کا حق پیدا کیا اور ہمیں اجازت دی کہ سو جاؤ ورنہ خدا کا مومن بندہ مرجاتا مگر اونگھتا نہ، اس کو دوسری طرف یہ بھی تو حکم تھا نا! کہ تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰهِ اور وہ خدا تعالیٰ کی سنت دیکھتا کہ لَاتَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَانَوْمٌ (البقرہ: ۲۵۶)

اور کہتا کہ میں بھی نہیں سوؤں گا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے کہا پھر تو اپنی اس زندگی کو کامیاب نہیں بنا سکتا۔ تیرے قویٰ آہستہ آہستہ کمزور ہوتے چلے جائیں گے۔ حالانکہ تیری ذمہ داریاں تو آہستہ آہستہ بڑھتی چلی جاتی ہیں۔ تو انہیں کیسے نباہے گا۔ پس نیند کا یہ حق قائم کر دیا اور جہاں یہ ذکر ہے کہ وہ زکوٰۃ دیتے ہیں یا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ کا مطلب یہ ہے کہ ہم ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسلیم کرتے اور ہر چیز کا مصرف اور خرچ خدا کی ہدایت کے مطابق ہو تو صحیح سمجھتے ہیں ورنہ ہمارا اپنا کوئی حق نہیں۔

ہمارے ایک بزرگ کے متعلق آتا ہے کہ وہ بڑے قیمتی جبے پہنا کرتے تھے کسی نے اعتراض کیا تو انہوں نے کہا کہ میں تو مونہہ میں ایک لقمہ بھی نہیں ڈالتا جب تک میرا خدا نہ مجھے کہے کہ تو یہ لقمہ منہ میں ڈال اور کوئی کپڑا نہیں پہنتا جب تک خدا مجھے یہ نہ کہے کہ یہ قیمتی لباس پہن۔

دراصل اللہ تعالیٰ ہر بندہ سے اسی طرح مخاطب ہوتا ہے کسی سے اپنے مکالمہ سے مخاطب ہوتا ہے ان قائم کردہ حقوق کو دہرانے سے جو قرآن اور نبی اکرم ﷺ کی سنت اور حدیث میں قائم ہو چکے ہیں اور کسی کے لئے وہ دہراتا نہیں لیکن مقررہ حقوق اپنی جگہ پر قائم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمسائے کے حقوق، بیوی بچوں کے حقوق، اقرباء کے حقوق، اہل محلّہ کے حقوق، بنی نوع انسان کے حقوق غرض ہر ایک کے حقوق قائم کر دیئے ہیں اور یہ کہا کہ تیرا یہ حق نہیں ہے کہ تو اپنے طور پر کسی کے حقوق قائم کرے۔ تو اپنا حق بھی قائم نہیں کر سکتا۔ جب تک وہ ہماری طرف سے قائم نہ ہو۔ یہ ہیں زکوٰۃ کے معنی، یعنی ہر چیز کو خدا کا سمجھ کر، ہر حق اسی کا تسلیم کرتے ہوئے ہر شے خدائی عطا سمجھتے ہوئے جتنی چیز جس جگہ خرچ کرنے کا حکم ہو اور جس قدر اپنے نفس کا یا کسی اور کا حق اللہ تعالیٰ نے قائم کیا ہو اس کے مطابق خرچ کرنا یہ زکوٰۃ ہے اور یہ بنیادی چیز ہے اور جیسا کہ میں نے کہا ہے اس کا تعلق نمایاں طور پر حقوق العباد سے ہے، لیکن ایک حد تک عبادت کے ہر تقاضے سے اس کا تعلق ہے۔

پس فرمایا کہ انسان عبادت کے لئے پیدا کیا گیا ہے اس لئے تمہیں حکم دیا جاتا ہے کہ تم خدائے واحد کی عبادت کرو مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْن ہو کر یعنی ان تمام تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے جو اللہ تعالیٰ نے عبادت کے قرآن کریم میں بیان فرمائے ہیں۔ پھر یہ نہیں کہ چند دن ان تقاضوں کو پورا کرو اور پھر چھوڑ دو۔ بلکہ حُنَفَآءَ یعنی ثبات قدم ہونا چاہئے۔ اگر تم میرے فضلوں کو حاصل کرنا چاہتے ہو اگر یہ چاہتے ہو کہ تمہارا انجام بخیر ہو تو تمہیں ثابت قدم رہنا پڑے گا۔

دوسرے یہ کہ جو روح عبادت ہے اسے زندہ رکھنا پڑے گا اور تم یہ نہیں کر سکتے۔ پس دعا کرنی پڑے گی کہ اے خدا! ہماری روح عبادت کو زندہ رکھ۔ اور زندہ رکھنے کی ہمیں توفیق عطا کر۔

پس دو تصور اپنے ذہن میں لاؤ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ بڑی عظمت اور جلال والا ہے اور وہ تمام صفات حسنہ سے متصف ہے اور اس کی تمام صفات حسنہ ہر وقت کام کر رہی ہیں۔ کسی وقت بھی معطل نہیں ہوتیں اور خدا تعالیٰ کی جو صفات کام کر رہی ہیں ان کے خلاف جو کوشش اور سعی ہوگی وہ ناکام ہو جائے گی اور دوسرے یہ تصور کہ میں ذلیل تر اور محض لاشے ہوں جب تک اللہ تعالیٰ کی توفیق اور تائید حاصل نہ ہو میں کچھ نہیں کر سکتا۔ یہ دو تصور اس روح کو بیدار کرتے ہیں اور زندہ رکھتے ہیں اور جب یہ تصور روح کو زندہ کر دیتے ہیں تو اس وقت تین خاصیتیں ایسی روح میں پیدا ہو جاتی ہیں اور ان خاصیتوں کے پیدا ہونے کے بعد ہی دراصل اس عمارت کی تعمیر کی جا سکتی ہے جس کا تعلق عبادت اور اس کے تقاضوں کے ساتھ ہے۔

دوسرے فرمایا کہ خالی اس قسم کی دعا نہیں بلکہ یہ بھی تسلیم کرو کہ تمہیں جو بھی میسر آیا ہے۔ جو بھی ملا ہے مثلاً تمہاری قوت تمہاری استعدادیں، تمہارا علم، تمہاری طاقت، تمہارا جتھہ، تمہارے خاندان اور تمہارا اثر و رسوخ وغیرہ اور تم جس علاقے میں ہو وہاں کی Mineral Resources یا دوسرے بہت سے اموال جو مختلف ملکوں یا خطوں میں زراعت یا معدنیات وغیرہ کے نتیجہ میں ملتے ہیں حتی کہ تمہاری زندگی کے سب لمحات یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کا ہے۔ فرد واحد بھی اس کا مخاطب ہے اور قومیں بھی اس کی مخاطب ہیں اور چونکہ یہ سب کچھ اللہ کا ہے، ان کی تقسیم، ان کا مصرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے قائم کردہ حقوق کی روشنی میں ہونا چاہئے۔ چونکہ ہم تمہیں سونے کی اجازت دیتے ہیں۔ اس لئے سو لیا کرو اور آرام اور راحت حاصل کیا کرو۔ تا کہ تم اگلے دن تازہ دم ہو کر اپنے کام میں لگو۔ میں سمجھتا ہوں کہ سب سے بڑا حق نفس کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو جو قوتیں اور استعدادیں دی ہیں وہ اپنے دوسرے وسائل اور عطایا اس طرح خرچ کرے کہ یہ قوتیں اور استعدادیں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور فضل کے نتیجہ میں اپنے کمال تک پہنچ جائیں تا کہ انسانی پیدائش کا مقصد پورا ہو۔ ایک مقصد ہے اصولی کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی عبادت کیلئے پیدا کیا۔ ایک مقصد ہے انفرادی، جو فرد فرد سے تعلق رکھتا ہے کیونکہ تمام نفوس جو پیدا کئے گئے وہ قوتوں اور استعدادوں کے لحاظ سے مثلاً محمد رسول اللہ ﷺ کے برابر تو نہیں۔ ہر ایک نے اپنی قوت اور استعداد کے مطابق جسمانی اور دنیوی، روحانی اور اخروی مسرتوں اور رفعتوں کے حصول کی کوشش کرنی ہے۔

پس اللہ تعالیٰ نے یہ حقوق قائم کئے اور ہمارے جسم کی بھلائی کے لئے، ہمارے نفس کی بھلائی کے لئے، دنیوی ترقی اور روحانی ترقیات کے لئے ہمیں ہزاروں تعلیمات دی ہیں اور کہا ہے کہ یہ تمہارا حق ہے اگر انسان سوچے اور خدا کا شکر گزار بندہ بنے۔ خدا تعالیٰ نے یہ نہیں کہا کہ میں تمہیں صرف مصیبتوں میں ڈال کر امتحان لینا چاہتا ہوں، بلکہ یہ فرمایا ہے کہ تمہارے حقوق بھی قائم کرتا ہوں تا کہ تم ترقی کرو۔ یعنی حقوق ملیں اور اس کا فائدہ بھی تمہیں حاصل ہو یعنی حق کے ملنے کا وقتی فائدہ بھی اور حق ملنے سے جو شاندار نتیجہ نکلا اس سے ابدی فائدہ بھی حاصل ہو اور یہ کہا کہ تمہارے حق کو قائم کرتا ہوں اور قائم کرنے کے دو فائدہ ہوئے ایک تو یہ کہ انسان کے دل سے یہ خوف نکل گیا کہ خدا کی ساری چیزیں ہیں میں کیوں استعمال کروں۔ کیوں کھاؤں، میں کیوں پہنوں، میں کیوں مکان بنا کر دھوپ اور بارش سے اپنی حفاظت کروں، خدا تعالیٰ نے کہا میں تمہارے ان حقوق کو تسلیم کرتا ہوں، تم ان کو پورا کرو، دوسرے بنیادی طور پر یہ فائدہ ہوا کہ کسی اور کو یہ حق نہیں پہنچا کہ دخل اندازی کرے یا اعتراض کرے کہ تم کھاتے کیوں ہو، تم پیتے کیوں ہو، تم اس مکان میں رہتے کیوں ہو، جیسا کہ کسی نے اس بزرگ پر اعتراض کیا تھا تو انہوں نے کہا مجھے خدا کہتا ہے میں کھاتا ہوں، پس حق قائم ہو گیا دنیا کا اعتراض دور ہو گیا۔ انسانی نشو ونما اور انتہائی ترقی اور کمال تک پہنچنے کا دروازہ کھل گیا پھر دوسروں کے حقوق بھی قائم کئے ایک حسین معاشرہ قائم ہو گیا۔ ایک ایسا معاشرہ کہ اگر وہ واقعہ میں قائم ہو جائے جیسا کہ آنحضرت ﷺ اور آپ کے بعد کے زمانہ میں تقریباً تین سو سال تک قائم رہا تو دنیا میں ایک ایسا عظیم انقلاب بپا ہو جائے کہ روس کا انقلاب اس کے مقابلہ میں کوئی حیثیت ہی نہ رکھے۔ اتنی حیثیت بھی نہ رکھے جتنی ہاتھی کے مقابلہ میں ایک مکھی کی ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے تمہیں اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے، اگر تم میری عبادت اور اس کے لوازمات کو پورا کرو گے، اس کے حقوق کو ادا کرو گے، تو اس کے نتیجہ میں تم ایک ایسی قوم بن جاؤ گے ذٰلِکَ دِیْنُ الْقَیِّمَۃِ جس کے اوپر کوئی ضعف اور تنزل نہیں آئے گا۔ ہلاکت اور فنا نہیں آئے گی اگر تم ان احکام پر عمل کرو جو ان دو چھوٹی سی مختصر آیات میں بیان ہوئے ہیں تو ایک قائم رہنے والی اور دنیا کے مربی اور استاد بننے والی قوم بن جائے گی۔

اگر ہم اپنی تاریخ کا مطالعہ کریں تو ہمیں یہی معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ نبی کریم ﷺ نے آپ کی

پاک صحبت میں اور بعد میں آنے والوں نے دو صدیوں تک (یعنی پہلی صدی کے بعد آنے والی دو صدیوں میں) آپ کی قوت قدسیہ اور آپ کے صحابہ سے فیض حاصل کرنے کے بعد ثابت قدمی کا سبق بھی سیکھا۔ انہوں نے روح عبادت کو بھی حاصل کیا۔ انہوں نے زکوٰۃ یعنی روح خدمت کو بھی پایا اور اس طرح پر انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ان تمام حقوق کو ادا کیا اور اس رنگ میں ادا کیا جس رنگ میں کہ خدا تعالیٰ چاہتا تھا کہ وہ ان حقوق کو ادا کریں خواہ وہ حقوق ان کے نفسوں سے تعلق رکھتے تھے خواہ وہ حقوق ان کے بیوی بچوں سے تعلق رکھتے تھے۔ خواہ وہ حقوق ان کے والدین اور اقرباء سے تعلق رکھتے تھے، خواہ وہ حقوق ان کے ہمسایوں یا اہل محلّہ یا شہر میں بسنے والوں سے تعلق رکھتے تھے یا ان کی دنیا میں بسنے والوں سے تعلق رکھتے تھے اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ دنیا کے محسن بنے، دنیا کے مربی بنے، دنیا کے استاد بنے، خدا کا قرب پانے والے اور اس کے حصول کی راہیں دکھانے والے بنے، قرب کے حصول کے سامان پیدا کرنے والے بنے، چنانچہ متعصب دشمن بھی اس بات کو تسلیم کرنے پر مجبور ہوئے کہ واقعہ میں وہ دنیا کے محسن اعظم تھے۔

سوال پیدا ہوتا تھا کہ وہ کیوں اور کیسے ایسے بنے؟ خدا تعالیٰ فرماتا ہے اس لئے بنے کہ میں نے قرآن کریم میں جو ہدایتیں دی تھیں ان پر انہوں نے عمل کیا۔ تکبر اور خودستائی، خودرائی اور خودنمائی ان میں نہیں تھی انہوں نے خدا میں ہو کر ایک نئی زندگی پائی تھی۔ کیونکہ اپنے اوپر انہوں نے ایک موت وارد کر لی تھی۔ وہ اس حقیقت پر قائم ہو چکے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کے حصول کے بغیر اس دنیا میں بھی ترقی حاصل نہیں ہو سکتی اور وہ اس حقیقت کو بھی پہنچانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کے جو حقوق اس دنیا میں قائم کئے ہیں اگر کوئی قوم ان حقوق کی ادائیگی میں سستی اور غفلت سے کام لے تو کبھی کامیاب نہیں رہ سکتی۔ چونکہ انہوں نے اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا وہ اس انعام کے وارث بنے اور یہ بڑا زبردست انعام ہے جس کا وعدہ دیا گیا ہے کہ ذٰلِکَ دِیْنُ الْقَیِّمَۃِ یہ قائم رہنے والی جماعت، یہ تنزل کے طوفانوں سے محفوظ رہنے والی جماعت کا دین ہے جس کا یہاں ذکر کیا گیا ہے جو دین کے ثبات قدم اور صلوٰۃ اور زکوٰۃ کی بنیادوں پر کھڑا کیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہ توفیق عطا کرے کہ ہم اس کے حکموں کو سمجھنے لگیں اور اس کی عبادت اس رنگ میں کریں جس رنگ میں وہ ہم سے چاہتا ہے کہ ہم اس کی عبادت کریں اور اس کے سچے اور پکے اور کامل

اور حقیقی بندے بن جائیں اور ہمارا اپنا کچھ بھی باقی نہ رہے ہم اس کی خاطر، اسی کے حکم سے، اس میں محو ہو کر فنا اور موت کو اپنے اوپر وارد کریں اور اس سے ایک نئی زندگی جو پیار کی زندگی، جو محبت کی زندگی، جو احسان کی زندگی ہو اسے حاصل کریں اور خدا کرے کہ زکوٰۃ کے ادا کرنے میں جو بنیادی تعلیم ہمیں دی گئی ہے کہ ہر شے کا مالک اللہ ہے اور اس کا انفاق اور خرچ اور اس کے حکم اور حق کے قیام کے بغیر نہیں کیا جا سکتا اس حقیقت کو ہم سمجھنے لگیں اور اس کے نتیجہ میں ہر اس شخص کو جس کا حق خدا نے قائم کیا ہے ہم اس کا حق ادا کرنے لگیں تا کوئی کدورت، کوئی بے چینی، کوئی نفرت کوئی بغاوت، اس دنیا میں قائم نہ رہے اور سب ایک برادری کی حیثیت میں اپنے ربّ کے قدموں میں اکٹھے ہو جائیں اور ہم اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کو حاصل کرنے والے ہوں اور یہ دنیا بھی ہمارے لئے جنت بنے اور اس دنیا کے بعد کی جو زندگی ہے اس کے لئے بھی اللہ تعالیٰ جنت کے سامان پیدا کرے۔ آمین

(روزنامہ الفضل ربوہ ۹؍جولائی ۱۹۶۹ء صفحہ ۲ تا ۹)

☆.....☆.....☆